قسط نمبر ۲

فساد زمانہ اور عمومی بلوٰی[۱] ☆

مولانا مجیب اللہ ندوی

حالات کے بدلنے سے احکام کی تبدیلی سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جب کوئی تنگی کی صورت پیدا ہو جائے تو اس میں وسعت ہوتی ہے۔ تکلیف حتی الامکان رفع کی جاتی ہے۔ ضرورت شریعت کے قواعد سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ مشقت آسانی لاتی ہے۔ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عموم بلوٰی، مشقت و حرج اور فساد زمان کا ہر صورت میں لحاظ کیا جائے گا۔ یا کسی تخصیص اور تقیید کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے گا، اس سلسلہ میں فقہائے نے احکام اسلامی کی دو صورتیں قرار دی ہیں۔ ایک یہ کہ اس تغیر و تبدل یا حرام و مکروہ میں تخصیص کا تعلق شریعت کے منصوص و صریح احکام سے ہو، دوسرے یہ کہ ان کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہو، پہلی صورت کے بارے میں ان کا عام اصول تو یہ ہے کہ المشقۃ والحرج انما یعتبر فی موضع لا نص فیہ (الاشباہ ص ۷۰)

مشقت اور تنگی کا لحاظ اس امر میں کیا جائے گا جس میں کوئی نص موجود نہ ہو۔

فقہ کا یہ اصول مسلّمہ ہے کہ منصوص احکام میں کوئی تغیر و تبدل جائز نہیں ہے، مگر چونکہ شریعت نے اسلامی احکام کے نفاذ میں انسان کے مزاج، ماحول اور اس کے مصالح اور مضار کا بھی لحاظ کیا ہے اس لئے جب کسی حکم پر بالکلیہ عمل کرنے میں شدید مشقت یا مجبوری لاحق ہو رہی ہو، یا ماحول کے بگاڑ یا کسی اور سبب سے کسی برائی سے بالکلیہ بچنا ممکن نہ رہ گیا ہو تو فقہا یا تو اس حکم میں تخصیص کرتے ہیں یا پھر اس کے مثبت پہلو کے بجائے اس کے منفی پہلو یعنی نفیِ حرج والے پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ چند افراد کا مسئلہ نہ ہو۔ بلکہ پورے معاشرہ کا معاملہ ہو، یا اگر وہ مخصوص افراد کا معاملہ ہو تو وہ مشقت اور حرجِ غیر معتاد قسم کا ہو، امام شاطبی نے اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے۔

۱؎ ماخوذ از معارف اعظم گڑھ۔ اگست و ستمبر ۱۹۶۴ء۔ ۲؎ نشر العرف ج ۲ ص ۱۲۵

حیث تکون المشقۃ الواقعۃ بالمکلف فی التکلیف خارجۃ عن معتاد المشقات فی الاعمال العادیۃ حتی یحصل بہا فساد دینی او دینوی فمقصود الشارع فیہا الرفع علی الجملۃ۔

اگر یہ مشقت جو واقع ہوئی ہے ایسی ہے جس سے عمل کرنے والے کو غیر معتاد قسم کی تکلیف ہوسکتی ہے یہاں تک کہ اس سے دینی و دنیاوی کوئی خرابی کے پیدا ہونے کا امکان ہے، تو شریعت کا منشا یہ ہے کہ اس کو بالکلیہ رفع کیا جائے۔ پھر آگے لکھتے ہیں:-

اذا کان الحرج فی نازلۃ عامۃ فی الناس فانہ یسقط اذا کان خاصاً لم یعتبر عندنا[1] (ج ۲ ص ۱۰۱)

اگر یہ تنگی کسی ابتلائے عام کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تو اس کو بہر حال رفع کیا جائے گا اور اگر یہ خاص ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

لیکن فساد زمانہ یا عمومی بلوی کی وجہ سے جو حرج و مشقت پیدا ہوئی ہے، اس کی تعین اور اس کو رفع کرنے کے سلسلے میں منصوص حکم کی تخصیص و تقیید کی جائے یا نہ کی جائے، اور اگر کی جائے تو کس حد تک کی جائے۔ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے، اس لئے فقہائے کرام نے اس میں کافی رد و قدح کی ہے، اسی نزاکت کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے موجودہ دور کے متعدد فقہاء ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں، اور شریعت کے بہت سے احکام کو انھوں نے بازیچۂ اطفال بنا لیا ہے اس سلسلہ میں فقہا کے کچھ خیالات کی تفصیل آگے آتی ہے اب رہی دوسری صورت تو اس کے بارے میں بات صاف ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی قیاسی و اجتہادی مسئلہ کی وجہ سے یہ دقت و مشقت پیش آتی ہے، تو اس کو ترک کرکے اس وقت کے حالات و مقتضیات کے مطابق پیش آمدہ مسائل کو شریعت کے منشا کے قریب لانے کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ عُرف میں ہوتا ہے۔

عموم بلوی اور فساد زمانہ میں رفع حرج تیسیر کی خاطر کسی منصوص حکم کی تخصیص کرتے ہوئے یہ بات بہر حال ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ان کی وجہ سے دین کے مقاصد اور ان بنیادی ضرورتوں پر کوئی اثر نہ پڑے جن کو شریعت اسلامی انسانی زندگی کا قوام اور مدار سمجھتی ہے، شریعت میں یہ ضروریات پانچ ہیں۔

---

[1] بعض ائمہ کے نزدیک خاص حرج بھی معتبر ہے۔ مگر اس میں انھوں نے معتاد اور غیر معتاد کی قید لگادی ہے، اس لئے اس اختلاف کا شریعت کے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مجموع الضروریات خمسۃ حفظ الدین والنفس والنسل والمال والعقل (موافقات ج ۴ ص ۴)

ان ضروریات کی پانچ قسمیں ہیں۔ دین، نسل، جان، مال اور عقل کی حفاظت۔

ان ضروریات کا مطلب کیا ہے۔ اس کی طرف عزالدین عبدالسلام متوفی ۶۶۰ھ نے قواعدالاحکام میں اشارہ کیا ہے، اور امام شاطبی متوفی ۷۹۰ھ نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

فمصالح الدنیا والآخرۃ ثلاثۃ اقسام کل قسم منہا فی منازل متفاوت فاما مصالح الدنیا تنقسم الی الضرورات والحاجات والتتمات والتکملات فالضرورات کالمأکل والمشارب والملابس والمناکح والمراکب الجوالب للاقوات وغیرھا تمس الیہ الضرورات واقل المجزی من ذالک ضروری وما کان فی ذلک فی علی المراتب کالمأکل الطیبات والملابس الناعمات والغرف العالیات والمراکب النفیسیات فھو من المتممات وما توسط بینھما فھو من الحاجات واما مصالح الاخرۃ ففعل الواجبات واجتناب المحرمات من الضرورات وفعل السنن المؤکدات الفاضلات من الحاجات وعدا ذالک فھی من المتممات۔

دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی تین قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم کے مختلف درجے ہیں، تو دنیا کے مصالح کی تین قسمیں ہیں، ضرورات حاجات اور تکملات، ضرورات سے مراد کھانا پینا، شادی بیاہ کرنا، سواری جو رزق کے حصول میں معاون ہو، اسی طرح جس کی ضرورت پیش آجائے، ان کا اقل درجہ تو ضروری ہے، مگر اس کا اعلیٰ درجہ یعنی اچھا کھانا، عمدہ لباس، شاندار مکانات بہترین سواریاں تو یہ تکملات و متممات ہیں ہیں اور ان دونوں کے درمیان جو ضرورتیں ہیں وہ حاجات ہیں، اسی طرح آخرت کے مصالح تو واجبات کی بجا آوری محرکات سے اجتناب ضروریات میں ہیں اور سنن موکدات فاضلات حاجات میں سے اور ان کے علاوہ متممات ہیں۔

امام شاطبی اس کی مزید توضیح کرتے ہیں :۔

فاما الضروریۃ فمعناھا انھا لابد ھٰھنا فی قیام مصالح الدین والدنیا بحیث اذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامۃ بل علی فساد وتھارج وفوت حیاۃ وفی الاخری فوت النجات والنعیم والرجوع بالخسران المبین۔ (ج ۲ ص ۴)

ضروریات میں کسی چیز کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حفاظت پر دین و دنیا کے بقا کا اس

حیثیت سے مدار ہے کہ اگر ان کی رعایت وحفاظت نہ کی جائے تو نہ صرف یہ کہ دنیا کے وجود کے سارے مصالح مفقود ہو جائیں گے، بلکہ اس میں فساد و اختلال رونما ہو جائے گا اور انسانی زندگی معطل ہو کر رہ جائے گی۔ دوسری طرف آخرت کی کامیابی اور اس کی نعمتیں حرمان وخسران سے بدل جائیں گی۔

ان ضروریات کی مثبت و منفی حفاظت کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

والحفظ لها يكون بامرين احدهما مايقيم أركانها ويثبت قواعدها وذالك عبارة عن مراعاتها من جانب الوجود والثانى مايدرأ عنها الاختلال الواقع أو المتوقع فيها وذالك عبارة عن مراعاتها من جانب العدم فاصول العبادات راجعة الى حفظ الدين من جانب الوجود كالايمان والنطق بالشهادتين والصلواة والزكوٰة والصيام والحج وما اشبه ذالك والعادات راجعة الى حفظ النفس والعقل من جانب الوجود أيضا كتناول الماكولات والمشروبات والملبوسات والمسكونات وما اشبه ذالك والمعاملات راجعة الى حفظ النسل والمال من جانب الوجود والى حفظ النفس والعقل ايضا لكن بواسطة العادات والجنايات ويجمعها الامر بالمعروف والنهى عن المنكر ترجع الى حفظ الجميع من جانب العدم۔

ان کی حفاظت دو طریقوں سے ممکن ہے، ایک یہ کہ جن چیزوں پر ان کی بنیاد ہے اور جن ستونوں پر یہ قائم ہیں ان کو باقی اور قائم رکھا جائے۔ یہ اس کی رعایت وحفاظت کا مثبت پہلو ہے، دوسرے یہ کہ اس کو حال ومستقبل کے اختلال و انتشار سے بچایا جائے اور یہ ان کی حفاظت کا منفی پہلو ہے، چنانچہ اصول عبادت مثبت طور پر دین کی حفاظت کرتے ہیں جیسے ایمان بالقلب اور اقرار باللسان، نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ۔ اسی طرح عاداتِ انسانی اس کے نفس وعقل کی وجودی طور پر حفاظت کرتی ہیں۔ مثلاً کھانا پینا، پہننا، مکان وغیرہ۔ اسی طرح معاملات نسل و مال کے وجود کا تحفظ کرتے، اور ساتھ ہی عقل اور نسل انسانی کی حفاظت بھی ان سے ہوتی ہے، لیکن عادات کے واسطہ سے اور جنایات جن کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ عبادات معاملات اور سبھی کی حفاظت منفی طور پر کرتے ہیں۔

ان بنیادی ضرورتوں کے ساتھ دو طرح کی اور ضرورتیں ہیں، جن کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے ان کا نام امام شاطبی نے حاجیات اور تحسینیات رکھا ہے، ان دونوں کی دین میں کیا حیثیت ہے، اس

کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

واما الحاجیات فمعناها أنها مفتقر الیها من حیث التوسعة ورفع الضیق المؤدی فی الغالب والی الحرج والمشقة بفوت المطلوب فاذا لم تراع دخل علی المکلفین علی الجملة الحرج والمشقة ولکنه لا یبلغ مبلغ الفساد العادی المتوقع فی المصالح العامة وھی جاریة فی العبادات والعادات والمعاملات والجنایات ففی العبادات کالرخص المخففة بالنسبة الی لحوق المشقة بالمرض والسفر وفی العادات کاباحة الصید والتمتع بالطیبات مما ھو حلال مأکلا ومشربا وملبسا ومسکنا ومرکبا وما اشبه ذالك وفی المعاملات کالقراض والمساقات والسلم والغاء التوابع فی العقد علی المتبوعات کثمرة الشجر ومال العبد۔

واما التحسینات فمعناها الأخذ بما یلیق من محاسن العادات وتجنب الاحوال المدنسات التی تأنفها العقول الراجحات ویجمع ذالك قسم مکارم الاخلاق وھی جاریة فیما جرت فیه الاولیان ففی العبادات کازالة النجاسة وبالجملة الطھارات کلھا وستر العورة واخذ الزینة والتقرب بنوافل۔

الخیرات من الصدقات والقربات واشباه ذالك وفی العادات کآداب الاکل والشرب ومجانبة المآکل النجسة والمشارب المستخبثات والاسراف والاقتار فی المتناولات وفی المعاملات کالمنع من بیع النجسات وفضل الماء والکلأ وسلب العبد منصب الشھادة والامامة وسلب المرأة منصب الامامة وفی الجنایات کمنع قتل الحر بالعبد اوقتل النساء والصبیان والرھبان فی الجھاد۔

اور حاجیات سے مراد وہ امور ہیں جن کی ضرورت زندگی میں سہولت پیدا کرنے اور ایسی تنگی کے دفع کرنے میں پڑتی ہے جن کی وجہ سے عموماً مشقت و تکلیف پیدا ہو جاتی ہے اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو زندگی سراسر تکلیف و مشقت سے پُر ہو جائے گو ان سے فساد عام نہ پیدا ہو، یہ عبادات، عادات، معاملات اور جنایات تمام ہی شعبوں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے عبادات میں مرض اور سفر کی دقتوں سے بچانے کے لئے کچھ رخصتیں دی گئی ہیں۔ عادات میں جیسے شکار کی اباحت یا پاکیزہ حلال چیزوں کا کھانے پینے اور کپڑے، سواری میں استعمال وغیرہ اسی طرح معاملات میں مضاربت مساقات بیع سلم، یا تابع کی بیع کو متبوع کے

تحت لانا، مثلاً درخت کے ساتھ پھل کی بیع یا غلام کا مال وغیرہ، اسی طرح جنایات میں قسامت پیشہ وروں پرتاوان وغیرہ لگانا۔

اور تحسینیات کا مقصد ان چیزوں کا استعمال ہے جو عادات انسانی میں حسن پیدا کرتی ہیں۔ یا ایسی چیزوں سے بچنا جن سے عقل سلیم ابا کرتی ہے یہ مکارم اخلاق کی ایک قسم ہے اس کا تعلق بھی پہلی دونوں قسموں کی طرح احکام اسلامی کے تمام ہی شعبوں سے ہے، عبادات میں جیسے ازالۂ نجاست، تمام طہارتیں، ستر عورت اخذ زینت، نوافل کے ذریعہ تقرب وغیرہ عادات جیسے کھانے پینے کے آداب کھانے پینے میں ناپاک اور گندی چیزوں سے پرہیز اخراجات میں اسراف اور بخل سے گریز وغیرہ معاملات میں جیسے ناپاک چیزوں کی بیع سے روکنا ضرورت سے زیادہ پانی اور گھانس کا روکنا یا غلام اور عورت کی شہادت اور امامت سے محرومی وغیرہ۔ اسی طرح جنایات مثلاً غلام کے بدلے آزاد کے قتل سے روکنا، یا جہاد میں عورتوں، بچوں اور راہبوں کے قتل سے منع کرنا، وغیرہ۔

ان تینوں طرح کے احکام کی حیثیت ایک دوسرے کے معاون اور مکمل کی ہے۔

ومن امثلة هذا المسئلة ان الحاجيات كالتتمة للضروريات وكذالك التحسينات فان الضروريات هي اهل المصالح (ص۶ ج ۲)

اس مسئلہ میں جو مثالیں دی گئی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حاجیات کی حیثیت ضروریات کے لئے تتمہ کی ہے۔ اسی طرح تحسنیات کی حیثیت حاجیات کے تکملہ کی ہے، اس لئے کہ ضروریات ہی پر دراصل مصالح شریعت کا مدار ہے۔

نفاذ احکام میں ان تینوں کا لحاظ کس ترتیب سے کیا جائے گا، اور کس کو کس وقت مقدم اور کس کو موخر رکھا جائے گا اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

كل تكملة فلها حيث هي تكملة شرط وهو ان لا يعود اعتبارها على الاصل بالابطال و ذالك ان كل تكملة يفضى اعتبارها الى رفض اصلها فلا يصح اشتراطها عند ذالك لوجهين احدهما ان فى ابطال الاصل ابطال التكملة لان التكملة مع ما كملته كالصفة مع الموصوف فاذا كان اعتبار الصفة يؤدى الى ارتفاع الموصوف لزم من ذالك ارتفاع الصفة ايضاً فاعتبار هذه التكملة على هذا الوجه مؤد الى عدم اعتبارها وهذا محال والثانى انا لو قدرنا تقديرا ان

المصلحة التكيلة تحصل مع فوات المصلحة الاصلية لكان حصول الاصلية اولى لما بينهما من التفاوت وبيان ذالك ان حفظ المهجة مهم كلى وحفظ المروات مستحسن فحرمت النجاسات حفظا للمروآت واجراء لاهلها على محاسن العادات فان دعت الضرورة الى احياء المهجة بتناول النجس كان تناوله اولى وكذالك اصل البيع ضروري ومنع الغرر والجهالة مكمل فلو اشترط نفى الغرر جملة لانحسم باب البيع كذالك والاجارة ضرورية اوحاجية واشتراط حضور العوضين فى المعاوضات من باب التكميلات ولما كان ذالك ممكنا فى بيع الاعيان من غير عسر منع من بيع المعدوم الا فى السلم وذلك فى الاجارات ممتنع فاشترط وجود المنافع فيها وحضورها يسد باب المعاملة بها والاجارة محتاج اليها فجازت وان لم يحضر العوض اولم يوجد ومثله جار فى الاطلاع على العورت للمباضعة والمداواة وغيرهما وكذالك الجهاد مع ولاة الجور قال العلما بجوازه قال مالك لو ترك ذالك لكان ضررا على المسلمين فالجهاد ضروري والوالى فيه ضروري والعدالة فيه مكملة للضرورة والمكمل اذا عاد للاصل بالابطال لم يعتبر ولذالك جاء الامر بالجهاد مع ولاة الجور عن النبى صلى الله عليه وسلم وكذالك ماجاء من الامر بالصلوة خلف الولاة السوء فان فى ترك ذالك ترك سنة الجماعة والجماعة من شعائر الدين المطلوبة والعدالة مكملة لذالك المطلوب ولايبطل الاصل بالتكملة ومنه اتمام الاركان فى الصلوة مكمل لضروراتها فاذا ادى طلبه الى ان لا تصلى كالمريض غير القادر سقط المكمل اوكان فى اتمامها حرج ارتفع الحرج عمن لم يكمل وصل على حسب ما اوسعته الرخصة۔

تمام تکمیلی احکام کے تکمیل کی شرط یہ ہے کہ وہ اصل کو باطل نہ کر دیں، ایسا اس لئے ہے کہ جو تکمیلی امور اصل کو معطل کر دینے والے ہوں تو دو وجہوں سے ان کا مشروط ہونا صحیح نہیں ہوگا، ایک یہ کہ اصل کے ابطال سے خود تکملہ بھی باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کی حیثیت صفت موصوف کی ہے۔ یعنی ضروریات موصوف ہیں اور تکملات صفت، جب موصوف نہ ہو تو صفت کا وجود کیسے ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ مصلحت اصلیہ کے فوت ہو جانے کے باوجود مصلحت تکمیل کا حصول

ممکن ہے تو مصلحت اصلیہ ہی کا اعتبار کرنا چاہیئے اس لئے کہ دونوں کے مرتبہ میں فرق ہے۔ اس اعتبار سے اصل کا حصول زیادہ بہتر ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جان کی حفاظت اہم بنیادی ضرورت ہے اور انسانی شرافت وغیرت کی حفاظت یہ مستحسن ہے تو نجاست کی حرمت اسی انسانی شرافت و نیک نفسی کی حفاظت کیلئے ہے تاکہ لوگوں میں اچھی عادتیں پیدا ہوں تو اب اگر جان بچانے کے لئے نجاست کے استعمال کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو استعمال کر کے جان بچا لینا زیادہ بہتر ہے، اسی طرح اصل بیع ضروری ہے۔ اور اس میں دھوکہ، عدم علم کا نہ ہونا اس بیع کی تکمیل ہے، تو اگر اس میں دھوکہ کی نفی کی شرط لگا دی گئی ہو تو اس سے ہم بیع کو ختم نہیں کر سکتے، اس طرح اجارہ ضروری یا حاجی ہے اور معاوضات میں عوضین کے سامنے ہونے کی شرط یہ تکمیلات میں ہے، تو چونکہ اعیان کی بیع میں یہ بغیر کسی وقت کے ممکن تھا اس لئے بیع سلم کے علاوہ اور دوسرے طریقوں میں بیع معدوم کو ممنوع قرار دیا گیا۔ لیکن اجارات میں منافع کا حاضر کرنا اور سامنے ہونا ناممکن ہے، اس لئے کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے تو اجارات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اور اجارہ کی ضرورت ہے اس لئے بغیر حضور منافع بھی اس کو جائز قرار دیا گیا۔ باوجودیکہ یہ معاوضات میں سے ہے، یہی صورت مباشرت اور علاج وغیرہ کے وقت شرمگاہ کے کھولنے کی ہے۔ اسی طرح ظالم حکمرانوں کے ساتھ جہاد کو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا تو جہاد اور والی ضروری ہیں اس کا ثقہ و عادل ہونا اس ضرورت کی تکمیل ہے اور جب تکمل اصل ہی کو باطل کر دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاۃ جور کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح برے حکمرانوں کے پیچھے نماز کا مسئلہ ہے کہ اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، کیونکہ ان کے ترک سے جماعت کا ترک لازم آتا ہے، اور جماعت شعار دین میں ہے جو مطلوب ہے۔ اور عدالت اور ثقاہت سے اس مطلوب کی تکمیل ہوتی ہے اور اصل مطلوب تکمیلی امور سے باطل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ارکان نماز کا پورا کرنا نماز کی اصل ضرورت کی تکمیل ہے، اب اگر یہ اصل مطلوب بغیر اس کی ادائیگی کے ادا ہو جائے، جیسا کہ مریض جو اس کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو، کے بارے میں حکم ہے۔ یا اس کی ادائیگی میں شدید تکلیف کا اندیشہ ہو تو تکلیف اس سے دور کی جائے گی اور جس طرح بھی ممکن ہو وہ نماز پڑھ سکتا ہے، اسی طرح بہت سی شرعی چیزوں کا حکم ہے۔

وانظر فیما قالہ الغزالی فی الکتاب المستظہری فی الامام الذی لم یستجمع شروط الامامۃ

واحمل علیہ نظائرہ۔

اس سلسلہ میں امام غزالی نے اپنی کتاب المستظہری کہ جس میں امامت کی تمام شرطیں نہ پائی جائیں اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اور اس کی جو نظیریں دی ہیں اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اوپر جو کچھ بھی عرض کیا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ کسی معاشرہ میں ایسا فساد و بگاڑ پیدا ہو جائے کہ اس میں اسلامی احکام پر بعینہ عمل کرنا ممکن نہ ہو یا ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ کسی معصیت سے بچنا ناممکن ہو جائے۔ تو منصوص احکام میں تخصیص اور تقیید سے اور غیر منصوص احکام میں تغیر فتاوی سے کام لیا جا سکتا ہے، ایسا اس لئے کرنا ضروری ہے کہ خود شریعت کا یہ منشا ہے کہ اس کی روح اور اس کے حدود کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے اہل تکلیف کو حرج و مشقت سے حتی الامکان بچایا جائے، چنانچہ ایسے مواقع کے لئے شریعت نے جو اسباب تیسیر جن میں ایک عموم بلوٰی بھی ہے، بیان کئے ہیں، اس پر فقہا نے تفصیلی گفت گو کی ہے۔ ابن نجیم نے الاشباہ میں اس پر بڑی مفصل اور عمدہ بحث کی ہے۔

پھر اوپر کی تفصیلات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی احتیاجات اور اس کی حفاظت کے لحاظ سے اسلامی احکام کے مختلف مدارج ہیں اور اسلامی احکام کے نفاذ کے وقت ان کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ایک ہی چیز ایک وقت میں حلال اور جائز ہوتی ہے اور وہی چیز دوسرے وقت پر حرام یا مکروہ ہو جاتی ہے، اسی طرح کسی موقع پر حرام و مکروہ چیز حلال و جائز ہو جاتی ہے کہیں تو اس پر مطلقاً عمل کیا جاتا ہے اور کہیں اس میں تخصیص و تقیید سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً کشف عورت حرام ہے۔ مگر علاج و معالجہ میں نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، مردہ کے ساتھ اعزاز و احترام ضروری ہے لیکن فقہا نے لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت مر جائے اور یہ گمان غالب ہو کہ اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے تو اس کا پیٹ چاک کیا جا سکتا ہے، اسی کی روشنی میں موجودہ پوسٹ مارٹم کے طریقہ پر بھی کچھ قیود کے ساتھ غور کیا جا سکتا ہے۔ آگے دونوں طرح کی اور بھی مثالیں آ رہی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی شریعت میں تحلیل و تحریم کا کوئی پائیدار اصول اور مضبوط بنیاد نہیں ہے، اور یہ اضافی قدروں کی قسم کی چیز ہے جو کسی وقت بھی بدلی جا سکتی ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہر حکم شریعت کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک مثبت دوسرے منفی یا ایک حفظ ضرورت دوسرے نفی حرج، چنانچہ شریعت اسلامی نفاذ احکام کے وقت ہمیشہ ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتی ہے، اس لئے کہ کسی حکم میں تخصیص یا اس

کا عدم نفاذ کی صورت ان نصوص کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے جو نفی حرج کے سلسلہ میں وارد ہوتے ہیں تو حقیقت میں یہ کسی نص کا ترک نہیں، بلکہ موقع و محل کے لحاظ سے دوسری نص پر تعامل ہے۔ منصوص احکام میں تخصیص کس صورت میں کی جا سکتی ہے، اور کس حد تک جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ بڑی نازک بحث ہے، امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ اگر ضروریات اولیہ میں کوئی حرج واقع ہو تو اس کی حفاظت کا تقاضا یہ ہے کہ منصوص احکام میں تخصیص کی جائے۔ مثلاً کسی انسان کی جان بچانے کے لئے اگر حرام چیز کے استعمال کی ضرورت ہو تو اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ مالکی فقہا میں امام شاطبی کی رائے اوپر معلوم ہو چکی ہے، اس سلسلہ میں قاضی ابن عربی مالکی کا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی مخصوص مصلحت بھی تخصیص کی متقاضی ہو تو نص کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔ مثلاً امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی با حیثیت اور شریف عورت اپنے بچہ کو دودھ نہ پلائے تو اس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بشرطیکہ اس کا بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی سکتا ہو، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کے حکم یرضعن اولادھن کے لئے یہ مصلحت مخصص قرار دی جائے گی۔ اسی طرح الیمین علی من انکر کے سلسلہ میں ان کا خیال یہ ہے کہ اگر دونوں میں پہلے سے کچھ ربط و تعلق ہو اور دونوں کے اندر برائی سے تنفر اور دفع شر کا جذبہ موجود ہو تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی ورنہ نہیں، اگر یہ تخصیص نہ کی جائے اور اس کی مطلقاً اجازت دیدی جائے تو شریف اور معقول آدمیوں کو شر پسند لوگ سخت مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کر دیں گے، اور ان کا نہ جانے کتنا نقصان کر دیں گے۔

ظاہر ہے کہ جب شافعی اور مالکی نقطۂ نظر میں دفع حرج اور مصلحت مخصوصہ کے لئے نص میں تخصیص کی جا سکتی ہے، تو فساد زماں اور عموم بلویٰ کی صورت میں تو بدرجۂ اتم تخصیص ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی جزیہ تو نظر سے نہیں گزرا۔ مگر چونکہ فساد زمانہ اور عموم بلویٰ میں اس سے زیادہ دفع حرج اور مصلحت متقاضی ہوتی ہے کہ اس میں تخصیص کی جائے۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ ان صورتوں میں بھی شافعی اور مالکی فقہا تخصیص کے قائل ہیں۔

یہ شافعی اور مالکی نقطۂ نظر ہے اس سلسلہ میں حنفی نقطۂ نظر وہی ہے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے یعنی

المشقۃ والحرج انما یعتبر فی موضع لا نص فیہ (الاشباہ)

حرج ومشقت کا اعتبار اس صورت میں ہوگا جس میں کوئی نص موجود نہ ہو۔

چنانچہ حشیش حرم کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کی رائے کو عام فقہائے احناف نے اس لئے رد کر دیا ہے کہ یہ نص صریح کے خلاف ہے، یعنی حدیث میں حرم کی گھاس چرانے یا کاٹنے کی ممانعت ہے، اس لئے امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ اس کی حرمت کے قائل ہیں مگر امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ حجاج کو اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ امام ابو یوسف نے نص کے حکم کو منسوخ قرار نہیں دیا ہے بلکہ حجاج کے لئے اس میں تخصیص کر دی ہے۔ مگر امام ابو یوسف کی رائے کی تردید کرتے ہوئے زیلعی لکھتے ہیں :۔

ولئن کان فیہ حرج فلا یعتبر انما یعتبر فی موضع لا نص فیہ واما مع النص بخلافہ فلا۔

اگر نص پر عمل کرنے میں کوئی حرج واقع ہو تو اس حرج کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ حرج ومشقت کا اعتبار اس جگہ کیا جاتا ہے جہاں کوئی نص موجود نہ ہو لیکن نص کے اختلاف کے ساتھ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح امام سرخسی عموم بلویٰ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :۔

انما تعتبر البلوی فیما لیس فیہ نص فاما مع وجود فلا معتبر (مبسوط ج ۴ ص ۱۰۵)

عموم بلویٰ کا اعتبار وہاں ہوگا، جہاں نص موجود نہ ہو، نص کی موجودگی میں اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح گوبر کی نجاست کے سلسلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اسی بنیاد پر ہے کہ امام صاحب اس کو نجاست غلیظہ قرار دیتے ہیں، صاحبین نجاست خفیفہ کہتے ہیں۔ صاحبین عموم بلویٰ کی بنیاد پر اسے نجاست خفیفہ قرار دیتے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اس لئے نجاست غلیظ کہا ہے کہ اس کی نجاست منصوص ہے، یعنی حدیث نبوی میں اسے رِکس کہا گیا ہے۔ اب رہی عموم بلویٰ کی بات تو اس بارے میں فقہاء امام صاحب کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ

والبلویٰ لا تعتبر فی موضع النص فان البلوی للآدمی فی بولہ کثیر۔

عموم بلوی نص کے مقابلے میں معتبر نہیں ہے۔ اب رہی عموم بلویٰ کی بات تو آدمی کے پیشاب میں یہ اور زیادہ ہوتا ہے مگر اس میں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔

لیکن نص کی موجودگی میں عموم بلویٰ کی رعایت کے بارے میں بعض محققین فقہائے احناف نے پہلے مسئلہ میں امام ابو یوسف اور دوسرے مسئلہ میں صاحبین کی رائے کو امام صاحب کی رائے پر ترجیح دی ہے۔ اور اب یہی مفتی بہ قول ہے۔ مثلاً اسی گوبر کی نجاست کے سلسلہ میں علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں :-

"جو یہ کہا جاتا ہے کہ گوبر کے سلسلہ میں عموم بلویٰ نص کی موجودگی میں امام صاحب کے یہاں معتبر نہیں اس لئے کہ انسان کو اپنے پیشاب کے سلسلہ میں زیادہ عموم بلویٰ پیش آتا ہے تو یہ اصول ناقابل تسلیم نہیں۔"

بل تعتبر اذا تحقق بالنص الثانی وھو لیس معارضۃ للنص بالرائے والبلوی فی بول الانسان فی الانتفاخ کرؤس الابر فیما سواء لانھا انما تحقق با غلبیۃ عسر الانفکاک وذالک ان تحقق فی بول الانسان فکما قلنا۔

بلکہ عموم بلویٰ نص کی موجودگی میں بھی معتبر ہوگا بشرطیکہ کسی نفی حرج والی نص سے اس عموم بلویٰ کی تائید ہو جائے اور اس صورت میں عموم بلویٰ محض رائے کی وجہ سے نص سے معارض نہیں ہوگا بلکہ دوسری نص معارض ہے اور انسان کے پیشاب کے سلسلہ میں عموم بلویٰ کا اس طرح لحاظ کرتے ہیں کہ سوئی کے ناکے کے برابر پیشاب کی چھینٹوں سے بچنا چونکہ انتہائی دشوار ہے اس لئے ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اور اگر انسان کے پیشاب میں یہی صورت پیش آجائے گی تو گوبر کی طرح ہم اس کے بارے میں بھی وہی رائے دیں گے۔

اسی طرح حشیش حرم کے بارے میں جو لوگ ابو یوسف کی رائے کی تردید کرتے ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے شیخ سعدی آفندی عنایہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں :

اقول فاین فوبھم مواضع الضرورۃ مستثناۃ من قواعد الشرع۔

میں کہتا ہوں اگر یہی صورت ہے کہ نص کی موجودگی میں حرج و مشقت کے باوجود تخصیص ممکن نہیں ہے تو پھر ان فقہا کے اس اصول کے برتنے کا کون سا موقع آئے گا کہ ضرورت قواعد شرع سے مستثنیٰ ہے۔

اوپر کی بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ متقدمین اور متاخرین فقہاء میں بہت سے محققین ایسے ہیں جو عموم بلویٰ کی وجہ سے نص میں تخصیص کے قائل ہیں، البتہ وہ اس تخصیص و تقیید میں نفی حرج کی نصوص عام کو اپنا مستدل ٹھہراتے ہیں۔ خواہ کسی مخصوص نص کو وہ استدلال میں پیش نہ کریں۔ مثال کے لئے اگر کسی نجس چیز کی حقیقت تبدیل ہو جائے اور اس میں عموم بلویٰ بھی پایا جائے تو امام محمدؒ اس کی پاکی کا حکم دیتے ہیں اور انہی

کے قول پر فتویٰ ہے صاحب درمختار کے اس جزیہ۔

ویطھر زیت تنجس بجعلہ صابونا بہ یفتی للبلوی کتنور رش بماءٍ نجس لا باس بالخبز فیہ (ج ۱ ص ۳۲۵)

وہ ناپاک تیل جسے صابن میں ڈال کر صابن بنالیا جائے وہ پاک ہے، اسی پر عموم بلویٰ کی وجہ سے فتویٰ ہے جیسے تنور پر ناپاک پانی کے چھینٹے دیئے جائیں اور پھر اسی پر روٹی پکائی جائے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کی تشریح کرتے ہوئے صاحب رد المحتار المجتبیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

جعل الدھن النجس فی صابون یفتی بطھارتہ لانہ تغیر والتغیر یطھر عند محمد ویفتی بہ للبلوی۔

ناپاک تیل کے صابن میں مل جانے پر صابن کی پاکی کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ اس میں تغیر ہوگیا ہے اور تغیر امام محمدؒ کے یہاں پاکی کا سبب ہوتا ہے اور اس پر فتویٰ عموم بلویٰ کی وجہ سے دیا جائے گا۔

پھر آگے اس کی علت بیان کرکے اس پر بہت سے مسائل متفرع کرتے ہیں۔

ثم اعلم ان العلۃ عند محمد ھی التغیر و انقلاب الحقیقۃ وانہ یفتی بہ للبلوی و مقتضاہ عدم اختصاص ذالک الحکم بالصابون فیدخل فیہ کل ما کان فیہ تغیر و انقلاب حقیقۃ وکان فیہ بلوی عامۃ (ج ۱ ص ۳۲۵)

پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک اس میں علت تغیر اور انقلاب حقیقت ہے اور اس بنا پر بلویٰ کی وجہ سے اس کی پاکی کا فتویٰ دیا جائے گا اس کلیہ کا تقاضا ہے کہ اس حکم کو صرف صابن تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ جس چیز میں تغیر اور انقلاب حقیقت پایا جائے اور اس میں عموم بلویٰ بھی موجود ہو تو اس کی پاکی کا حکم دیا جائے گا۔

اس میں بظاہر امام محمد نے کسی نص خاص کا ذکر نہیں کیا ہے، مگر ان کے اس استدلال میں نفی حرج کی نصوص سے مدد لی گئی ہے۔

ائمہ فقہ کی ان تفریعات کی روشنی میں موجودہ دور کے بہت سے مسائل میں اسلامی نقطۂ نظر سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر واقعی ضرورت متقاضی ہو تو ہم ان میں عموم بلوٹی کی بنیاد پر تخصیص و تقیید بھی کرسکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک مخصوص طبقہ کے عموم بلوی کا لحاظ کرکے گوبر کو نجاست خفیفہ قرار دیا جاسکتا ہے جب ایک مخصوص صنعت میں عموم بلوی کی رعایت کی جاسکتی ہے، تو ان بے شمار مسائل کو ہم کیسے نظر انداز کرسکتے ہیں جنھوں نے عموم بلوی نہیں بلکہ اعم بلوی کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ علماء کو ان مسائل کی فہرست تیار کرکے ان کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے اسلامی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیئے۔ مثلاً انشورنس کمرشل انٹرسٹ گورنمنٹ کے سودی قرضے، تحدید نسل، شادی کی تحدید، دواؤں اور دوسری استعمال کی چیزوں میں نجس چیزوں کا استعمال وغیرہ وغیرہ مگر اس سلسلہ میں چند باتیں بہر حال ملحوظ رکھنی ہوں گی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ان قیود و حدود کا لحاظ ضروری ہوگا۔ جن کا لحاظ ہر فن کے ماہرین کسی فنی مسئلہ میں رکھتے ہیں، محض اس بنیاد پر کسی نص میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی کہ اس کے خلاف رواج عام ہوگیا۔

دوسری بات جو پیش نظر رکھنی ضروری ہے وہ یہ کہ اس کا مقصد احکامِ شریعت کا نسخ نہ ہو، بلکہ محض تخصیص و تقیید یا عارضی عدم نفاذ ہو۔

تیسری سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اس غور طلب مسئلہ میں تخصیص و تقیید کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا ہو یعنی درپیش مسئلہ کے لئے اس کے معارض نص میں اگر تخصیص نہ کی جائے تو معاشرہ کے عام افراد ضروریات اولیہ میں شدید قسم کی دقّت و پریشانی میں مبتلا ہوجائیں گے، یا بعض فقہا کی اصطلاح میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ضروریات اولیہ کی حفاظت میں خلل واقع ہو رہا ہو تو تخصیص کرنا صحیح ہے ورنہ نہیں، ایک مصری عالم فہمی ابوسینہ نے امام شاطبی کی تصریحات کی روشنی میں عرفی مسائل میں تخصیص پر بحث کرتے ہوئے آخر میں جو تنبیہ کی ہے اسے پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

وھذا لعمر اللہ موضع احتیاط بالغ وحذر شدید اذ لیس مجرد مشقۃ نزع الناس من عاداتھم مما تترك بہ النصوص ولو كان من الامور الكمالیۃ او الحاجیۃ التی یمكن الخروج عنھا بكثیر من الطرق المشروعۃ۔

خدا کی قسم اس موقع پر انتہائی احتیاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ محض اس بنا پر کہ لوگوں کو ان کی عادات سے ہٹانے میں شدید قسم کی پریشانی اور دقّت ہوتی ہے صریح نصوص کو چھوڑ دیا جائے یہ صحیح نہیں، خاص طور پر اگر وہ ان امور سے متعلق ہوں جو کمالی اور حاجی قسم کے ہیں جن سے نکلنے کی دوسری شرعی صورتیں ممکن ہیں۔

اگر ایسا نہ کیا جائے بلکہ اس کی عام اجازت دے دی جائے، تو اس کے نتائج انتہائی بھیانک ہوں گے۔
ولو فتحنا ھذا الباب لاستباح الناس کثیراً من المحرمات واستحسنوا کثیراً من الرذائل
واذن لھوت حالۃ المسلمین الاجتماعیۃ الی الحضیض۔

اگر ہم نے یونہی بغیر قید اس دروازہ کو کھول دیا تو لوگ بہت سے محرمات کو مباح بنالیں گے اور بہت سی برائیوں کو اچھائیاں قرار دے لیں گے۔ اور اس صورت میں مسلمانوں کی اجتماعی حالت قعر مذلت میں جا پڑے گی۔

فقہ اسلامی کے اور بہت سے قواعد کلیہ ایسے ہیں جن سے عموم بلویٰ والے مسائل میں مدد لی جا سکتی ہے مثلاً

الضرر یزال — تکلیف زائل کی جائے گی۔

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام (الاشباہ ص ۵۹)

ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کرنا ہوگا۔

ابن نجیم ان کلیات پر بہت سے مسائل متفرع کرتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر کوئی عمارت بنالیتا ہے جس سے عام راہ گیروں کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کے گرانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ اگر غلہ کے بیوپاریوں کے طرز عمل سے عام لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہو تو بھاؤ مقرر کیا جا سکتا ہے یا ذخیرہ اندوز ول کا اسٹاک جبراً لے کر بازار میں فروخت کیا جا سکتا ہے ایک جاہل ڈاکٹر کو پریکٹس سے روکا جا سکتا ہے غرض یہ کہ یہاں ان اشخاص کی ملکیت میں جس کا احترام شریعت میں واجب ہے، اس لئے دخل اندازی کی گئی کہ اس ضرر خاص کو نقصان پہنچا کر لوگوں کو ضرر عام سے بچالیا جائے۔ اب اگر عموم بلویٰ میں بھی یہی صورت پیدا ہو جائے تو بہر حال اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

تغیّر زمانہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ جس طرحِ عموم بلوی سے احکام میں تغیّر یا تخصیص کی جاتی ہے اسی طرح زمانہ کی تبدیلی، حالات کے بگاڑ کی وجہ سے بھی احکام میں تخصیص یا تبدیلی ہوتی رہی ہے نیز یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ جس طرح عموم بلوی کے ذریعہ بنیادی احکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح تغیر زمانہ اور فساد زمانہ کی دست اندازی سے بھی یہ احکام باھر ہیں۔

کن احکام میں زمانہ کے تغیّر سے تبدیلی ہو سکتی ہے اس بات پر تمام ہی فقہاء متفق ہیں کہ

ماحول کی تبدیلی اور اخلاق کی خرابی پر وہی احکام تبدیل ہوتے ہیں، جس کی بنیاد قیاس و اجتہاد اور مصلحت پر ہے، رہے وہ اصولی احکام جن پر شریعت کی بنیاد قائم ہے۔ اور جس کی بنیاد کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے ہی کے لئے اوامر و نواہی کا ورود ہوا ہے۔ مثلاً محرکات شرعیہ سے نکاح، معاملات میں تراضی اور انسان کا معاملہ کرنے کے بعد اس کا پابند ہو جانا، اور بغیر عقد کے جو نقصان ہو اس کا تاوان، اپنے اقرار کا اپنے ہی اوپر نافذ ہونا، تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا، اور جرائم کا انسداد کرنا، ان ذرائع کو بند کرنا جو معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والے ہیں، حقوق کا تحفظ، ہر شخص کا اپنے عمل اور اپنی غلطی کا ذمہ دار ہونا، وغیرہ بے شمار احکام ہیں جن کا قیام، اور جو ان سے مزاحم ہیں ان کا مقابلہ کرنا شریعت کا مقصد اولین ہے، تو ایسے تمام بنیادی احکام حالات کی تبدیلی سے نہیں بدل سکتے، بلکہ یہی اصولی احکام ہیں جن کو معاشرہ کی اصلاح کے لئے شریعت نے پیش کیا ہے البتہ ان کے نفاذ کے وسائل اور حالات پر ان کے انطباق کی صورتیں زمانہ اور ماحول کی تبدیلی سے ضرور بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً حقوق کے تحفظ کا ذریعہ عدالت ہے، جس میں فیصلہ کا مدار تنہا ایک منصف یا جج کی رائے پر ہوتا ہے، اور اس کا فیصلہ بالکل قطعی ہوتا ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ زمانے کے حالات و مصالح اور برائیوں کے انسداد میں غایت احتیاط کی وجہ سے یہ فیصلے جوری کے سپرد کر دیئے جائیں اور عدالت کے مختلف درجے بنا دیئے جائیں، جیسا کہ آجکل ہے۔ (مسلسل)

الرسائل القشیریہ

امام ابوالقاسم القشیری کے تین نایاب عربی رسالے

۱۔ شکایۃ اہل السنۃ۔ ۲۔ کتاب السماع۔

۳۔ ترتیب السلوک فی طریق اللہ

اصل عربی متن اور سلیس اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں

ضخامت: ۲۰۳ صفحات • قیمت (مجلد) دس روپے

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، لال کرتی، راولپنڈی